شیخ حبیب الرحمٰن بٹالوی

''ثقافتی مسلمان''

روزنامہ ''خبریں'' ملتان کی اشاعت مورخہ ۸/جولائی ۲۰۰۴ء میں درج ذیل خبر شائع ہوئی ہے:

''لاہور (مانیٹرنگ ڈیسک) جسٹس (ر) جاوید اقبال نے ایک نجی ٹی وی چینل کے پروگرام ''جوابدہ'' میں گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے ''بچپن میں الف لیلیٰ شوق سے پڑھتا تھا' جس کی وجہ سے ساتویں، نویں جماعت میں فیل ہوا۔ ایف اے تھرڈ ڈویژن اور ایم اے میں پھر فیل ہوگیا...... نوجوانی میں شراب نوشی اور سگریٹ نوشی کرتے رہے، ان کی کئی لڑکیوں سے دوستیاں رہیں...... شریعت ایک لاش ہے جسے ہم گھسیٹتے پھر رہے ہیں...... یہ اس بنا پر کہا تھا کہ جب تک ہم اسے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں کرتے یہ ایک لاش کی طرح ہے۔ سیکولرازم بھی اسلام اور تاریخ کا حصہ ہے۔ قرآن میں شراب کی حرمت کا ذکر نہیں آیا۔ حد بھی وہاں واجب ہوتی ہے' جہاں کسی کو کوئی ہوش وحواس نہ رہے...... حضرت نبی اکرم ﷺ کے دور میں اس کی سزا ہی نہیں تھی...... ''خمر'' سے مراد Drunkness ہے Drinking نہیں ہے...... غصبِ اقتدار شریعت کے مطابق جائز ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ الیکشن سے منتخب ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو الیکٹورل کالج کے ذریعے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ریفرنڈم کے ذریعے منتخب کرایا گیا اور معاویہ غصبِ اقتدار کے ذریعے اقتدار میں آئے۔ مجھے فرزندِ اقبال ہونے پر فخر ہے۔''

ڈاکٹر صاحب کے اس ہذیان کا جب چند درد دل رکھنے والے افراد نے نوٹس لیا تو ڈاکٹر جاوید اقبال کی ایک وضاحت روزنامہ ''خبریں'' ملتان کی اشاعت ۱۱/جولائی ۲۰۰۴ء میں شائع ہوئی۔ جس میں انہوں نے تقریباً وہی ساری باتیں دہرائیں۔ صرف ان ایک دو اضافوں کے ساتھ کہ:

''حضور نبی کریم ﷺ نے میثاق مدینہ کے عنوان سے جو آئین تیار کیا تھا اس میں مسلمانوں کے ساتھ یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی امتِ واحدہ قرار دیا گیا تھا...... ہمارے علماء حضرات کا علم بہت محدود ہے۔ اب اگر علامہ اقبال کہتے ہیں کہ الیکشن واحد طریقہ ہے جو اسلام کی روح سے مطابقت رکھتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کے نزدیک الیکشن درست طریقہ باقی نادرست ہیں......''

یہاں ہم ڈاکٹر جاوید اقبال کی اپنی تحریر کی ہوئی سوانح حیات ''اپنا گریباں چاک'' سے کچھ منتخبات نقل کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب کے پیش لفظ میں رقم طراز ہیں:

''بہرحال میں نے کئی حیلوں سے ایک بہت بڑے درخت کے سائے سے نکل کر اپنا مقام پیدا کرنے کی کوشش کی۔ تگ ودو کے اس عالم میں کیا میں اس سائے سے نکل کر اپنا سایہ بنا سکا؟ میں کس حد تک کامیاب ہوا اور کس حد تک

ناکام؟ فقط یہی میری داستانِ حیات ہے۔''

اس کے علاوہ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ: ''بنیادی طور پر میں مذہبی سے زیادہ ثقافتی مسلمان ہوں...... میرے والد شاذونادر ہی روزہ رکھتے تھے......والد کو کبھی کبھار فجر کی نماز پڑھتے ضرور دیکھا ہے...... مجھے نہانے سے سخت نفرت تھی......والد مجھے پیار سے ''ببّا'' کہہ کر بلایا کرتے...... جب وہ گہری نیند سو جاتے تو خراٹے لیا کرتے اور نہایت بھیانک قسم کی آوازیں نکلتیں......دیواریں گرد و غبار سے اَٹی ہوتیں......بستر' ان کی اپنی دھوتی اور بنیان کی طرح میلا ہو جاتا مگر انہیں بدلوانے کا خیال نہ آتا......وہ فطرتاً سست تھے......منہ دھونے اور نہانے سے گھبراتے تھے......سکول میں منیرہ کے بالوں میں جوئیں پڑ گئیں ......میں نے صحیح اور غلط میں غلط اور نیکی و بدی میں بدی کا راستہ منتخب کرنا بہتر سمجھا......اگر سینما دیکھنا منع تھا تو ہر روز دو دو بلکہ تین تین شو دیکھتا......روزمرہ کے باورچی خانہ کا حساب لکھتے وقت' پیسوں میں گھپلا کرتا......لندن میں ایک بین الاقوامی بال روم ڈانس مقابلہ میں' میں نے ٹینگو میں اوّل پوزیشن حاصل کر کے ایوارڈ لیا......مال روڈ کے اکثر ریستورانوں میں جیمز سکول کی اینگلو انڈین لڑکیوں کے ساتھ رقص و سرود کی محفلیں جمتیں......میرے والد کے زمانہ کے دہلوی حجام رشید مرحوم ہمارے یہاں میری شیو بنانے یا بال کاٹنے کے لیے روزانہ آتے تھے۔ بسا اوقات دن چڑھے' میں ابھی بستر پر سو رہا ہوتا تو وہ سوتے ہی میں میری شیو بنا جایا کرتے......کچھ مدت تک ہم جنس لڑکوں اور لڑکیوں سے میری دوستی رہی مگر چونکہ مجھے لواطت سے کوئی دلچسپی نہ تھی' اس لیے میں نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی......میں ہر سال ''مے بال'' میں اپنے کالج کے دوستوں کے ہمراہ رقص کرتے ہوئے ساری رات گزارتا......میرا موقف یہ تھا کہ اسلام میں لبرل ازم کی تحریک پاکستان کی نظریاتی اساس فراہم کرتی ہے......سیر کے دوران ''عینی'' کسی مندر میں پجاریوں کے ساتھ ایک ٹورسٹ کی مانند شیولنگ کی پوجا میں شریک ہو گئیں۔ اس پر میں نے ان پر پھبتی کسی اور وہ ناراض ہو گئیں......میری ان کے ساتھ معصومانہ بے تکلفی تھی (''معصومانہ بے تکلفی'' کے صدقے جایئے)......میں یورپی خواتین سے ملنے جلنے میں کوئی دقت محسوس نہ کرتا لیکن مجھے پاکستانی لڑکیوں سے گفتگو کرنے کا ڈھنگ نہ آتا تھا۔ ایک تو ان کی غیر ضروری شرم و حیاء بات چیت میں حائل ہوتی تھی اور دوسرا یہ کہ اگر وہ باپردہ نہ بھی ہوں تو مخلوط محفلوں میں مردوں سے عادتاً الگ بیٹھتی تھیں......ایران میں رات کا کھانا کسی بینکر نے ایک مشہور کیسینو (جوئے خانہ) میں دے رکھا تھا' جہاں ہم رات گئے تک مادام گوگوش کے نغمے سنتے رہے......میں لیکچر ختم کر کے باہر نکلا تو استنبول کے اخبار ''جمہوریت'' کے نمائندے نے سوال کیا کہ آپ کی رائے میں اسلام میں عورت کے لیے پردہ کرنا لازم ہے؟ میں نے جواب دیا کہ قرآن میں زینتوں کو چھپانے کا حکم ہے جس سے مراد باحیا لباس زیبِ تن کیا جائے' سکارف وغیرہ پہننے کا کہیں ذکر نہیں ہے......میں مغربی رقص کا دلدادہ تھا......سچی بات میں نے اپنی زندگی میں ''ناصرہ'' جیسی کوئی شخصیت نہیں دیکھی......علامہ اقبال کے اُن پرستاروں پر (مجھے) غصہ ضرور آتا ہے جو اُن کے افکار کی نفی کرتے ہوئے' مجھے صرف ''فرزندِ اقبال'' کی حیثیت سے جاننا چاہتے ہیں اور اس فریم سے میرا باہر نکلنا انہیں ناگوار گزرتا ہے......اب رہ گئی بات علامہ اقبال سے آگے نکل جانے کی

'یہ تو کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہونی چاہیے...... میرے پرانے دوست سب کے سب فوت ہو چکے ہیں...... ایک تو شیخ بشیر احمد تھے دوسرے میرے بہنوئی میاں صلاح الدین اور تیسرے میرے سالے خالد وحید (لفظ ''سالہ'' محل نظر ہے)...... میں لندن میں اپنے ساتھ سونے چاندی کے ورق لے گیا تھا جو کھانے میں استعمال کرتا...... ویسے میں تو ۱۹۶۴ء میں شادی کے بعد بیوی کی دیکھا دیکھی با قاعدگی سے روزے رکھتا ہوں......۲۰۰۰ء کی ابتداء سے چار نمازوں کے فرائض پڑھ لیتا تھا۔ فجر کی نماز کے لیے آنکھ نہ کھلتی تھی لیکن اسی سال کے رمضان میں فجر کی نماز پڑھنا شروع کی...... گھر میں ہمیں پالنے والیں آنٹی ڈورس (جاپانی خاتون) اور اماں وڈی تھیں...... یورپ میں میرے استاد پروفیسر اے جے آربری اور ایک یہودی پروفیسر روبن لیوی تھے......

قارئین کرام! ڈاکٹر صاحب کے اخباری بیان اور ان کی اپنی کتاب سے دیئے گئے' مندرجہ بالا دلچسپ اقتباسات کا خود ہی موازنہ کیجیے۔ بڑی واضح بات ہے کہ اگر ایک حلوائی کی دکان سے کپڑا نہیں مل سکتا۔ ایک بزاز کی دکان سے دہی اور دودھ مہیا نہیں ہوسکتا۔ ایک انجینئر کسی مریض کو دوا لکھ کر دینے کا مجاز نہیں اور ایک ڈاکٹر کا' کسی عمارت کا بنایا ہوا نقشہ پاس نہیں ہوسکتا تو یقین فرمایئے کہ جو دل زادِ تقویٰ سے محروم اور ہوائے نفسانی و آلائش دنیا پرستی میں گرفتار ہے' وہ ایک لمحے کے لیے قرآن کے حقائق و معارف کا تجلی گاہ نہیں بن سکتا۔

ذرا غور کیجیے کہ ایک جاپانی خاتون (آنٹی ڈورس) کی سرپرستی میں پلنے والا بچہ جو تعلیم کے دوران کئی دفعہ ناکام ہوا جس کے استاد عیسائی (پروفیسر اے جے آربری) اور یہودی (پروفیسر روبن لیوی) رہے ہوں جو اپنی دوست لڑکیوں سے معصومانہ بے تکلفی کا خوگر ہو، شراب پی کر رقص و سرود میں راتیں گزارنے والا، اپنے عظیم باپ کے خلاف اپنی کتاب کی فکر ژولیدہ سے ترقی پسندوں کے لیے سامانِ حظ مہیا کرنے والا، باپ کی خامیاں گنوانے اور اپنی خوبیاں تحریر کر کے اپنا قد بڑھانے کی جھوٹی کوشش کرنے والا، لندن کے ٹینگو ڈانس میں اوّل پوزیشن حاصل کرنے والا، ایران کی مادام گوگوش کے نغموں میں کھو جانے والا اور سوتے میں شیو بنوانے والا ایک ثقافتی مسلمان' قرآن و حدیث کی نصِ قطعی کے بارے میں کیسے رائے زنی کرسکتا ہے؟

دراصل ڈاکٹر جاوید اقبال اور ان جیسے کئی انٹرنیشنل جغادری جن کی راتیں جاگتی اور دن سوتے ہیں' اپنی باطنی خباثت کے جواز کے لیے' اللہ رسول کے بجائے' مولوی اور ملاّ کے نام طعن توڑ کر' اپنی غلیظ خواہشات کے کمزور ترین جنسی الاؤ کی تسکین کا سامان کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انگریزی تعلیم یافتہ لوگ مذہب سے بیزاری کو اپنا پیدائشی حق سمجھتے ہیں، دینی معلومات میں خود کوڑھی ہیں مگر بیان دیتے ہیں کہ علماء کا علم محدود ہے۔

آغا شورش مرحوم نے ایسے لوگوں کے بارے میں کہا تھا:

حیف! بد انجام پٹواری محدث بن گیا وائے فتنہ گر کا اندازِ بیاں گستاخ ہے
میں نہیں کہتا فلاں ابن فلاں گستاخ ہے اس قبیلے کا ہر اک پیر و جواں گستاخ ہے